علم تفسیر اور اس کی اہمیت

عبدالحمید خان عباسی *

علم تفسیر کی اہمیت بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کے مفہوم کو بیان کیا جائے تا کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔

علم تفسیر کا مفہوم

الف۔ لغوی مفہوم

لفظ ''تفسیر'' کا مادہ فَسَرَ (ف، س، ر) سے ہے اور یہ باب تفعیل سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں ظاہر کرنا' کشف کرنا' بند چیز کو کھولنا (بے حجاب کرنا' ننگا کرنا) تشریح کرنا' توضیح وتفصیل کرنا اور کسی عبارت کے مطلب کو واضح اور بیان کرنا(۱) قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْراً ﴾(۲)

(وہ جو بھی مثال آپ کی خدمت میں لائیں گے ہم اس (مثال) کے عوض آپ کے پاس حق اور بہترین تفصیل لائیں گے)

علامہ محمد بن جریر طبریؒ نے اس آیت کے تحت ابن عباسؓ کی روایت میں تفسیر سے مراد ''تفصیل'' اور مجاہد کی روایت میں تفسیر سے مراد ''بیان'' لیا ہے۔(۳)

قاضی محمد زاہد الحسینی نے لغوی اعتبار سے تفسیر کا مفہوم یوں بیان کیا ہے:

''تفسیر کا لفظی معنی وہ طریق کار ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت تلاش کی جائے جیسا کہ طبیب مریض کا حال معلوم کرنے کے لیے پورے غور وفکر سے کام لیتا ہے''۔(۴)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر/ انچارج شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

ب۔ اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں تفسیر کے معنی ہیں (مقررہ قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے) قرآن مجید کی تشریح و توضیح اور تفصیل کرنا' اس کے مشکل الفاظ اور جملوں کے مفہوم و مطلب کو ظاہر کرنا۔ علماء نے تفسیر کی کئی تعریفیں کی ہیں جیسے:

ا۔ علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ:

''تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب' جو کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئی، کے مطالب، اس کے احکام اور اس کی حکمت سمجھی جا سکتی ہے۔'' (۵)

۲۔ علامہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں:

''تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق و تلفظ، ان کے مدلولات، ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔'' (۶)

وضاحت

ابوحیانؒ نے اس تعریف کی وضاحت یوں کی ہے:

(i) اس تعریف میں ''علم'' کا لفظ جنس کی حیثیت رکھتا ہے جس میں سب علوم داخل ہو سکتے ہیں۔
(ii) الفاظِ قرآن کی کیفیتِ نطق سے مراد ''علم قرأت'' ہے۔
(iii) الفاظِ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معانی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے۔
(iv) مفرد اور مرکب کے احکام سے مراد علم صرف' علم نحو (عربی گرائمر)، علم بیان اور علم بدیع (فصاحت و بلاغت) ہے۔
(v) حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معانی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے' اس کا تعلق علم معانی اور بیان سے ہے۔

(vi) تتمات سے ناسخ ومنسوخ کی معرفت' آیات کا شانِ نزول اور مبہماتِ قرآن کا بیان کرنا ہے۔(۷)

۳۔ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے تفسیر کے مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

''......تفسیر کا مفہوم یہ ہے کہ کلام اللہ کے مدلول ومفہوم کے ساتھ یہ بھی بیان کرنا کہ:

(i) نزولِ قرآن کا سبب کیا ہے۔

(ii) اور احوالِ نزول' زمانہ نزول اور واقعات متعلقہ کیا ہیں؟

(iii) اور یہ کہ آیات مکیہ ہیں یا مدنیہ، محکم ہیں یا متشابہ، ناسخ ہیں یا منسوخ، خاص ہیں یا عام، مطلق ہیں یا مقید، مجمل ہیں یا مفصل؟

(iv) اور احکام حلال وحرام کس طرح مستنبط ہو رہے ہیں؟

(v) آیات کی دلالت حلت پر ہے یا حرمت پر یا کراہت واستحباب پر؟

(vi) مضمون وعید پر مشتمل ہے یا وعد پر' امثال وعِبَر کا مضمون ہے یا واقعات وقصص کا؟''(۸)

گویا ان تمام پہلوؤں کی تشریح وتوضیح کو تفسیر کہا جائے گا۔

ڈاکٹر محمد حسین ذھبی تفسیر کی مختلف تعریفات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''مذکورہ صدر چاروں تعریفات میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں انسانی استطاعت کی حد تک مرادالٰہی کو واضح کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس بنیاد پر علم تفسیر ہر اس علم کو سموئے ہوئے ہے جس پر مرادالٰہی کا سمجھنا موقوف ہو۔''(۹)

تاویل کا مفہوم

الف لغوی مفہوم

عربی لغت کے اعتبار سے ''تاویل'' بابِ تفعیل سے مصدر ہے (أَوَّلَ 'یُؤَوِّلُ' تَأْوِیلاً' مُؤَوَّلٌ، مُؤَوِّلٌ) اس کا مصدر "أَوْلٌ" ہے۔ یعنی تاویل "أَوْلٌ" سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں رجوع

کرنا، جیسا کہ قاموس میں ہے "آل إلیـــــــــه آوَلاً" (۱۰) یعنی رجوع کرنا "أوَلُ" کا معنی پھیرنا بھی ہے۔ قاضی ابوالبقاء لکھتے ہیں:

''والتأویل فی اللغة من الأول و هو الا نصراف''(۱۱)

(تاویل کا لفظ أوَلُ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں پھیرنا)۔

بعض کہتے ہیں کہ تاویل "اِیَالَة" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سیاست وحکمرانی۔ گویا "مؤوِّل" (تاویل کرنے والا) کلام پر حکمرانی کرتا ہے اوراس کے معانی کو مناسب موقع ومحل عطا کرتا ہے۔ (۱۲)

تاویل چونکہ باب تفعیل سے مصدر ہے۔ اس لیے اس کے لغوی معنی ہوں گے اصل کی طرف لوٹانا، پھیرنا، موڑنا۔ اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر تاویل کرنے کا مطلب ہے کسی کلمہ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک مناسب وموزوں معنی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسے اختیار کر لینا۔

قرآن مجید میں تاویل کا لفظ ''تفسیر وتعیین'' (۱۳)، ''نتیجہ وانجام'' (۱۴) اور خواب کی تعبیر (۱۵) کے لیے استعمال ہوا ہے۔ لیکن یہ لفظ اپنے مشہور لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ تفسیر کا ہم معنی (مترادف) ہے (۱۶) گویا تاویل کے معنی ہوئے تشریح وتوضیح کرنا۔

ب۔ اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں تاویل کا مفہوم یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی لفظ کے متعدد معانی ہوں تو ان معانی میں سے ایک ایسے معنی کو دلیل وتدبر سے منتخب کر لینا جس معنی کا تقاضا وہ لفظ (یا آیت) کرتا ہے۔ انتخاب معنی کا یہ عمل تاویل کہلاتا ہے۔ گویا متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کی طرف رجوع کرنا تاویل ہے۔ چنانچہ علامہ جرجانی لکھتے ہیں:

''اصطلاح شرع میں تاویل کے معنی ہیں ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب وسنت کے موافق ہو مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ (۱۷) (وہ مردے سے

زندہ کو نکالتا ہے) اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے۔''(۱۸)

تفسیر و تاویل میں فرق

مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ تفسیر و تاویل میں فرق کرنے میں دو طرح کے رجحان پائے جاتے ہیں۔ ایک رجحان ان دونوں کو مترادف (ہم معنی) سمجھتا ہے اور دوسرا دونوں میں فرق کرتا ہے۔ ذیل میں دونوں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

پہلا رجحان

اس رجحان کے نمائندے متقدمین حضرات ہیں جن کے نزدیک تفسیر و تاویل میں کوئی معنوی فرق نہیں پایا جاتا جیسے:

ا۔ مشہور تابعی مجاھدؒ جب فرماتے ہیں کہ:

"إنّ العلماء يعلمون تأويله"(۱۹)

(علماء کرام قرآن مجید کی تاویل جانتے ہیں)

یہاں لفظ ''تاویل'' سے مجاھدؒ کی مراد ''تفسیر'' ہے۔

۲۔ امام محمد ابن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) نے تو اپنی تفسیر کا نام ہی "جامع البيان عن تاويل آي القرآن" رکھا اور اس میں وہ اکثر یہ جملہ استعمال کرتے ہیں:

"القول فی تاويل قوله تعالیٰ كذا و كذا"(۲۰)

(اللہ تعالیٰ کے قول (ارشاد) کی تاویل میں یوں قول ہے)۔

امام طبریؒ کی تفسیر کے نام میں لفظ ''تاویل'' اور اس جملہ میں لفظ ''تاویل'' سے مراد ''تفسیر'' ہے۔

دوسرا رجحان

اس دوسرے رجحان کے نمائندے متأخرین مفسرین حضرات ہیں جو تفسیر و تاویل میں فرق کرتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ:

الف۔ تفسیر ''تاویل'' سے زیادہ عام ہے۔ تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ تاویل کا اکثر استعمال معانی کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے خواب کی تعبیر کو ''تاویل'' کہتے ہیں۔

ب۔ تاویل کا اکثر استعمال صرف آسمانی کتابوں کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے جبکہ تفسیر آسمانی و غیر آسمانی دونوں قسم کی کتابوں کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ج۔ تفسیر مفرد الفاظ کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تاویل کا اکثر جملوں کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے.....'' (۲۱)

۲۔ امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ:

''قطعیت (یقین) سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے۔ یہ تفسیر ہے، اگر شہادت قطعی دلیل کی بنیاد پر دی گئی ہے تو صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے (المذموم) ہے جو کہ ممنوع ہے۔ اور تاویل یہ ہے کہ کسی لفظ کے کئی احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت (یقین) اور شہادت الٰہی کے متعین کرنا (ترجیح دینا)'' (۲۲)

گویا کسی ایک مفہوم پر یقین کر لینا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مقبول ہے تو یہ تفسیر ہے اور چند مفاہیم میں سے کسی ایک مناسب مفہوم کو اختیار کرنا تاویل ہے۔

۳۔ ابو طالب ثعلبی کہتے ہیں کہ:

''لفظ جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اس معنی کو حقیقت یا مجاز کے طور ر بیان کرنا تفسیر

ہے جیسے لفظ ''صـراط'' کی تفسیر راستہ اور لفظ ''صیـب'' کی تفسیر بارش ہے۔(اس کے برعکس) کسی لفظ کے باطنی مفہوم کی توضیح کر دینا تاویل ہے مثلاً: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (۲۳)۔اس کا لفظی معنی ہے(بیشک آپ کا رب ضرور گھات میں ہے) اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔'' (۲۴)

۴۔امام بغویؒ فرماتے ہیں:

''کسی (زیر بحث) آیت سے ایسا مفہوم مراد لینا جس (مفہوم) کی اس (آیت) میں گنجائش ہو اور وہ مفہوم آیت کے سیاق وسباق سے مطابقت رکھتا ہو اور کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو تو یہ (مفہوم) تاویل ہے جب کہ کسی آیت کے سبب نزول اور متعلقہ واقعہ کو ذکر کر دیا جائے تو یہ تفسیر ہے۔'' (۲۵)

۵۔بعض علماء کا موقف ہے کہ:

''ترتیب عبارت سے ماخوذ ہونے والے معانی کو بیان کر دینا تفسیر ہے اور عبارت سے اشارہ کے طور پر معلوم ہونے والے معانی کو بیان کر دینا تاویل ہے۔متأخرین کے نزدیک یہی فرق مشہور ہے۔'' (۲۶)

گویا قرآنی عبارت سے جو معنی معلوم ہو وہ تفسیر اور جو اشارہ الفاظ سے معلوم ہو تاویل ہے۔

۶۔امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

''تفسیر سماع اور اتباع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر موقوف ہے اور تاویل، اجتہاد و استنباط کا نام ہے۔'' (۲۷)

۷۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ:

''کتاب اللہ کا جو مفہوم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث صحیحہ کے ذریعہ

متعین ہوگا وہ تفسیر کہلائے گا اور اس معین اور واضح مفہوم کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے مطابق وموافق جو لطائف ومعارف علوم الٰہیہ میں مہارت رکھنے والے علماء اور محققین مستنبط کریں اس کا نام تأویل ہوگا۔'' (۲۸)

۸۔مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک:

''تفسیر کا تعلق روایت سے اور تاویل کا درایت سے ہے۔'' (۲۹)

ترجیح

تفسیر وتاویل میں فرق وامتیاز سے متعلق علماء کے اقوال پیش کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حسین ذھبیؒ نے آخری قول کو ترجیح دی ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''ان اقوال میں سے جس قول کی طرف (میرا) نفس مائل ہے وہ یہ ہے کہ تفسیر مبنی ہے روایت پر اور تاویل درایت پر۔'' (۳۰)

دلیل

اس قول کو ترجیح دینے کی جو دلیل آپ نے پیش کی ہے وہ دو حصوں پر مشتمل ہے: ایک حصہ کا تعلق تفسیر سے ہے اور دوسرے کا تاویل سے۔

دلیل کا پہلا حصہ

''تفسیر کا مطلب ہے کشف وبیان اور اللہ تعالیٰ کی مراد کو یقین کے ساتھ صرف اس وقت بیان کیا جا سکتا ہے جب وہ (مراد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہو۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے نزول وحی کا مشاہدہ فرمایا اور اس (وحی) سے متعلقہ واقعات وحوادث سے بخوبی آگاہ ہوئے نیز حضور ﷺ کی صحبت سے براہ راست فیض یاب ہونے اور معانی قرآن کی مشکلات کے حل کے لیے آپؐ کی طرف رجوع کرنے کا شرف حاصل کیا۔'' (۳۱)

دلیل کا دوسرا حصہ

اس حصہ کا تعلق تاویل سے ہے' چنانچہ ڈاکٹر ذھبی لکھتے ہیں:

''جہاں تک تاویل کا تعلق ہے تو اس میں ایک لفظ کے معانی کے کئی احتمالات (۳۲) میں سے کسی ایک احتمال کو دلیل کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے اور ترجیح کا دارومدار اجتہاد پر ہوتا ہے۔ اجتہاد (کے درجہ) تک پہنچنے کے لیے ان ذرائع و وسائل کی معرفت ضروری ہے:

۱۔ عربی زبان میں الفاظ کے معانی و مدلولات،

۲۔ سیاق وسباق (موقع ومحل) کے مطابق ان الفاظ کا استعمال،

۳۔ (کلام میں) عربی زبان کے اسالیب کی معرفت،

۴۔ اور ان تمام (نکات) سے (مناسب) معانی کو ماخوذ و مستنبط کرنے کی معرفت۔'' (۳۳)

اس سے ثابت ہوا کہ درایت (اجتہاد) کے ذریعے قرآن مجید کے معنی کا تعین کرنا تاویل ہے۔ اور روایت کے ذریعے تعین کرنا تفسیر ہے۔ اس ضمن میں امام زرکشی کا یہ قول تائیداً پیش ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''تفسیر و تاویل میں فرق کرنے کا سبب یہ ہے کہ تفسیر میں منقول پر اور تاویل میں استنباط پر اعتماد کیا جاتا ہے'' (۳۴)

تاویل کی اقسام

تاویل کی دو قسمیں ہیں: فاسد اور صحیح (۳۵)

پہلی قسم: تاویل فاسد

اسے باطل، مردود، مستکرہ (ناپسندیدہ) بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ تاویل ہے جسے دلیل کے ذریعے جانچا اور پرکھا جائے تو ناگوار معلوم ہو۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

(i) عام لفظ میں تخصیص کر کے اس کے بعض افراد مراد لیے جائیں، جیسے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۳۶)

(اور اگر تم دونوں (بیبیاں) اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر غالب آنے کی کوشش کرو گی تو اللہ تعالیٰ اس کا رفیق ہے اور جبریل اور نیک کردار ایمان والے)

اس آیت میں بعضوں نے "صالح المؤمنین" سے صرف حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مراد لیے ہیں۔

(ii) دو آیتوں کو ملا کر ان سے ایک مطلب نکالنا، جیسے کسی نے یہ گمان کیا کہ تمام جانور بھی مکلّف ہیں، اور دلیل یہ دی کہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ ﴿وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (۳۷)
(اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈرسنانے والا (نبی) نہ گزرا ہو)

۲۔ دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (۳۸)
(اور زمین پر کوئی چلنے والا (جانور) یا اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمہاری طرح امت نہ ہو (وہ بھی تمہاری طرح امتیں ہیں)۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جانور بھی ہماری طرح مکلّف ہیں۔

(iii) جھوٹی خبر یا جھوٹی روایت کے مشابہہ خبر سے تاویل کی جائے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ (۳۹)
(جس دن کہ پنڈلی کھول دی جائے گی)

بعض نے کہا کہ اس آیت میں ساق سے بدن کا عضو پنڈلی مراد ہے اور ایک موضوع حدیث سے استدلال کیا اور کہا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھول دے گا۔ حالانکہ یہاں یہ عربی محاورہ استعمال ہوا ہے جس سے کسی واقعہ کی ہولنا کی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یہاں قیامت کی ہولنا کی کی شدت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

بعید (یعنی دور از کار) استعارات اور اشتقاق کے ذریعہ تاویل کی جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا کہ سورۃ البقرہ میں ''بقر'' سے مراد انسان ہے اور اسے ''بقر'' اس لیے کہا کہ وہ علم کے راز پھاڑتا تھا یعنی کھولتا تھا۔ نیز قرآن میں مذکور ''ھدھد'' کے بارے میں کہا کہ اس سے مراد بھی انسان ہے اور اسے بحث و تفتیش کی خوبی کی بناء پر ہدہد کہا کیوں کہ ہدہد میں بھی یہ صفات ہوتی ہیں۔

☆ پہلی قسم کی تاویل وہ بناوٹی فقہاء کرتے ہیں جنہیں خاص و عام کی کما حقہ معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

☆ دوسری قسم کی تاویل اکثر وہ متکلم کرتا ہے جو الفاظ کی شرائط کی معرفت میں کمزور ہوتا ہے۔

☆ تیسری قسم کی تاویل وہ محدّث کرتا ہے جو قبول روایت کی شرائط کی رعایت و لحاظ نہیں کرتا۔

☆ چوتھی قسم کی تاویل وہ ادیب کرتا ہے جو استعارہ اور اشتقاق کی شرائط کا لحاظ نہیں کرتا۔

دوسری قسم: تاویل صحیح

اسے پسندیدہ، مناسب اور مقبول تاویل بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ تاویل ہے جسے دلیل سے جانچا اور پرکھا جائے تو وہ ناگوار معلوم نہ ہو۔ اس تاویل میں بھی علم میں راسخ و ماہر افراد کے درمیان تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے اختلاف ہوتا ہے:

ا۔ یا تو مشترک لفظ کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾(۴۰)

(نگاہیں اس کا (یعنی اللہ تعالیٰ کا) ادراک نہیں کرسکتیں)۔

ISLAMIC RESEARCH INDEX
HEC & AIOU APPROVED PROJECT
IRI
اسلامی تحقیق کا اشاریہ
فهرسة البحث الإسلامي

اس میں اختلاف ہے کہ یہاں ابصار (نگاہوں) سے ظاہری آنکھ مراد ہے یا دل کی آنکھ؟

۲۔ یا کلام کی ترکیب کی وجہ سے اختلاف ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا﴾(۴۱)

(اور وہ لوگ فاسق ہیں مگر وہ جنہوں نے توبہ کی)۔

اس آیت میں یہ اختلاف ہے کہ استثناء صرف معطوف سے ہے یا معطوف و معطوف علیہ دونوں سے۔

۳۔ یا پھر معنی کے غیر واضح اور لفظ کے مختصر ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾(۴۲)

(اور اگر انہوں نے بالکل چھوڑ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے)۔

ان معتبر وجوہ میں فیصلہ کرنے کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ قرآن کا کلام کس صورت میں ہے۔ اگر امر و نہی کی صورت میں ہے تو پھر عقلی امر و نہی ہونے کی صورت میں اس کے معنی کھولنے کے لیے عقلی دلائل کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی ترغیب دی ہے۔ فرمان ربانی ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾(۴۳)

(یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل فہم نصیحت حاصل کریں)۔

اگر شرعی امر و نہی ہے تو اس کے معنی واضح کرنے کے لیے محکم آیات یا واضح سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اگر خبر اعتقادی ہے تو عقلی دلائل اگر خبر اعتباری ہے تو قصوں میں بیان کی ہوئی واضح صحیح روایات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

مختصر یہ کہ جس تاویل کا تعلق قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ہے وہ دو طرح کی ہے۔ایک صحیح اور دوسری باطل۔

پہلی تاویل وہ ہے جو اسلام کے اصولوں، صحیح احادیث، سلف الصالحین اور علماء امت کی تفسیر کے خلاف نہ ہو۔

اور دوسری تاویل وہ ہے:

☆ جو عربی زبان کے قواعد اور اسلام کے اصولوں کے مطابق نہ ہو۔
☆ جس کی کسی حدیث اور اقوال صحابہؓ سے کوئی اصل نہ ملتی ہو۔
☆ جس کو معتبر ماننے میں بہت سے اصول شریعت اور احادیث کی صریح مخالفت لازم آتی ہو۔

تو ایسی فاسد تاویل کا اصل نام تحریف ہے۔ یہ حرام ہے۔(۴۴)

تفسیر صحیح، تفسیر باطل اور تحریف میں فرق کی مزید وضاحت حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کے درج ذیل قول سے ہو جاتی ہے۔ جو سورۃ القیامۃ کی تفسیر میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں: تفسیر میں تین شروط ضروری ہیں:

۱۔ ہر کلمہ ان معانی پر حقیقی طور پر یا مجاز متعارف کے طور پر دلالت کر رہا ہو۔
۲۔ معنی کلام کے سیاق و سباق کے مطابق ہو (تاکہ کلام بے ربط نہ ہو)۔
۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے جو کچھ منقول ہے، تفسیر اس کے خلاف نہ ہو۔

☆ اگر صرف پہلی شرط فوت ہے تو وہ تاویل قریب ہے۔
☆ اگر دوسری اور تیسری شرط فوت ہو جائے وہ تاویل بعید (فاسد تاویل) ہے۔
☆ اور اگر تینوں شرائط موجود نہ ہوں تو وہ تحریف ہے۔(۴۵)

اہمیت تفسیر

تفسیر و تاویل کے مفہوم اور دونوں میں فرق واضح کرنے کے بعد علم تفسیر کی اہمیت کو ذیل میں مختلف اعتبارات سے بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ اہمیت تفسیر باعتبار فضیلت

تفسیر قرآن کی اہمیت کا انداز اس کی فضیلت وعظمت اور برتری سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں اس ضمن میں کچھ احادیث وآثار اور کچھ عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

اولاً: احادیث وآثار

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کی عربیت، سوتم اس کو شعر میں تلاش کرو، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے۔ (۴۶)

۲۔ قاضی محمد عبدالحقؒ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

۳۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کے علم کی تعریف کی، ان سے ایک شخص نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابرؓ کی تعریف کر رہے ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا: حضرت جابرؓ کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ (۴۷)

(جس نے حکم بھیجا آپ پر قرآن کا اور پھر لانے والا ہے آپ کو پہلی جگہ)۔

۴۔ شعبی نے کہا: مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ کا سفر کیا' وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرتا تھا وہ شام چلا گیا ہے۔ پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

۵۔ ایاس بن معاویہ نے کہا: جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا ہو' ان کے پاس چراغ نہ ہو' ان کو پتہ نہ چل سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ وہ اس کی وجہ سے پریشان ہوں جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں'

ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کو پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

۶۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر جانتا ہے وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے (یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے)۔

۷۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو قرآن کی وجوہ کثیرہ (تفسیر) کا علم نہ ہو۔

۹۔ حسن بصریؒ نے فرمایا: غیر عربی ہلاک ہو گئے' ان میں سے ایک شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہوتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

۱۰۔ حضرت ابن عباسؓ اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے پھر اس کی تفسیر کرتے پھر حدیث بیان کرتے۔(۴۸)

عقلی دلائل

امام راغب اصفہانیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: انسان جو فنون (علوم) حاصل کرتا ہے ان میں سب سے بہترین فن (علم) قرآن مجید کی تفسیر و تاویل ہے۔ کیونکہ ہر فن کو مندرجہ ذیل تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے:

۱۔ اگر کسی علم کا موضوع شرف و فضیلت والا ہو تو وہ علم بھی فضیلت والا ہوتا ہے کیونکہ ہر علم میں کسی موضوع سے متعلق ہی بحث ہوتی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ زرگری کا فن کھالوں کی صفائی (دباغت) کے فن سے بہتر ہے۔ اس لیے زرگری کا موضوع یعنی سونا و چاندی' دباغت کے موضوع یعنی مردار اور جانوروں کی کھال سے بہتر ہے۔

۲۔ یا اس کی شکل و صورت کے اچھا ہونے کی وجہ سے جیسے کہا جاتا ہے کہ تلواروں کی ڈھلائی کا فن زنجیریں ڈھالنے کے فن سے بہتر ہے (یعنی تلوار کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے)۔

۳۔ یا اس کے اغراض و مقاصد کی برتری کی وجہ سے جیسے کہ ڈاکٹری کا فن خاکروبی کے فن سے بہتر ہے۔ کیونکہ ڈاکٹری کا مقصد (بیماروں کی) صحت وتندرستی بحال کرنا ہے اور خاکروبی کا مقصد فرش کی صفائی کرنا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو معلوم ہونا چاہیے کہ فن تفسیر کو ان تینوں وجوہ سے شرف وفضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو کہ ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر فضیلت کی کان ہے۔ اور تفسیر کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی صورت ان مخفی رازوں کا اظہار ہے جنہیں اس قرآن کو نازل کرنے والے نے قرآن میں رکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِيَدَّبَّرُوٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُو الْاَلْبَابِ﴾(۴۹)

''تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔''

تفسیر کا مقصد (اللہ تعالیٰ کی) اس مضبوط رسی اور کڑے کو پکڑنا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا اور ایسی حقیقی سعادت تک پہنچنا ہے جس کو فنا نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْراً كَثِيْراً﴾ (۵۰)

''اور جس کو حکمت ملی اس کو بڑی خوبی اور دولت ملی)۔''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ''حکمت'' سے مراد تفسیر قرآن ہے۔(۵۱)

۲۔اہمیت تفسیر بلحاظ ضرورت

یہ حقیقت ہے کہ کسی چیز کی ضرورت اس کی اہمیت کو بڑھا دیتی ہے جیسے پانی ہماری ضرورت ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہی حال قرآن مجید کی تفسیر کا ہے۔ اس کی ضرورت نے اس کی اہمیت کو بڑھا دیا ہے۔ ذیل میں ضرورت تفسیر کی بنیادیں متعین کر کے ہر ایک بنیاد کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

کلام الٰہی کے فہم وادراک کے لیے تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے کلام کا مجموعہ ہے۔ جو معلومات ومعارف کا گنجینہ ہے۔ اعلیٰ وارفع نوعیت کی فصاحت وبلاغت اس کلام کا طرہ امتیاز ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے کلام کی تفسیر وتشریح کرنا ضروری ہے تاکہ اسے سمجھا جاسکے۔ اس ضمن میں بعض علماء لکھتے ہیں:

> ''......قرآن حکیم اللہ کا کلام ہے جس کے ذریعے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔ یقیناً اللہ کا کلام لامحدود عظمتوں کا مظہر ہوگا۔ ہر کس وناکس کے لیے اس کی عظمتوں اور حقائق ومعارف کا ادراک کیونکر ممکن ہوسکتا ہے' اور بغیر شرح وتفسیر ہر شخص منشائے الٰہی کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔'' (۵۲)

> کلام اللہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کلام اللہ کی تفسیر وتشریح نہایت ضروری ہے۔ اس کلام کے مضامین کو کھول کھول کر بیان کرنے اور اس کے مطالب کو سامعین کے فہم سے قریب کردینے ہی کا نام تفسیر ہے۔'' (۵۳)

مشکلات قرآن کے حل کے لیے تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ان افراد میں نازل فرمایا جن کی مادری زبان عربی تھی اور جو فصیح اللسان اور عقل وفہم میں کامل ہونے میں اپنی مثال آپ تھے۔ لیکن اس کے باوجود قرآن مجید کے بعض اشاروں اور کنایوں کے فہم میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا جنہیں حل کرنے کے لیے تفسیر کی ضرورت پڑتی۔ مثلاً:

۱۔ روایات میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (۵۴)

> ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن وسلامتی ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

تو صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے، حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے کہنے لگے: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے اوپر ظلم نہ کیا ہو' ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ظلم اور زیادتی سرزد ہو جاتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ آیت میں جس ظلم کا ذکر ہے اس سے ظلم عظیم یعنی شرک مراد ہے۔ قرآن نے خود ایک دوسرے مقام پر "انَّ الشّرکَ لَظُلم عظیم" کہہ کر اس کی وضاحت کر دی ہے۔ آپ کی تفسیر اور وضاحت سے صحابہ کی پریشانی دور ہو گئی۔(۵۵)

۲۔ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود﴾(۵۶)

تو ایک صحابی سحری کھانے کے بعد دو دھاگے لے کر لیٹ گئے اور ان کو دیکھنے لگے کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے کب ممتاز ہوتا ہے۔ انہوں نے آیت کے ظاہری معنی سمجھے، حالانکہ یہ بطور محاورہ تھا۔ جب حضورﷺ کو معلوم ہوا تو آپﷺ بھی ان صحابی کے بھولے پن سے محظوظ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت نازل ہوئی "من الفجر" تو حضورﷺ نے منشائے الٰہی بیان فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب صبح کی سفیدی نمایاں ہونے لگے، اس وقت سحر کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔(۵۷)

۳۔ اسی طرح حکم تیمّم سے بعض صحابہؓ نے زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر تیمّم کیا۔(۵۸)

اس بحث سے ثابت ہوا کہ فہم قرآن میں پیش آنے والی دشواریوں کا ازالہ صرف تفسیر سے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضورﷺ نے کیا کہ صحابہ کرامؓ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انہیں اپنی تفسیر سے حل فرما دیا۔

مبہمات قرآن کو دور کرنے کے لیے ضرورت تفسیر

قرآن مجید میں بعض ایسے مقامات ہیں جہاں ابہام پایا جاتا ہے۔ اس ابہام کو صرف تفسیر سے دور کیا جا سکتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن جلد دوم میں نوع نمبر ستر میں مبہماتِ قرآن کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السھیلی الاندلسی نے "التعریف و الإعلام فیما

أبهم فی القرآن من الأسماء والأعلام" تالیف کی اورعلامہ سیوطیؒ نے "الأقران فی مبهمات القرآن" تالیف کی (۵۹)

غریب القرآن کی معرفت کے لیے ضرورت تفسیر

عربی لغت میں غریب کے معنی ہیں ''اجنبی'' اورعلوم القرآن کی اصطلاح میں غریب سے مراد ہے قرآن مجید کے اجنبی وغیر مانوس الفاظ۔فہم قرآن کی مشکلات میں سے ''غریب الفاظ کی عدم معرفت'' (۶۰) ایک مشکل ہے۔اس مشکل کوصرف ان الفاظ کی تفسیر سے دور کیا جاسکتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ قرآن مجید کے جوغریب الفاظ ہیں ان کی حقیقت کی معرفت کے لیے تفسیر ضروری ہے۔ واضح رہے کہ قرآنی علوم میں سے ''غریب القرآن'' ایک مستقل علم ہے جو'' قرآن مجید کے قلیل الاستعمال اور نادر الفاظ کی شرح و توضیح کے لیے......معرض وجود میں آیا'' (۶۱)

علماء اسلام نے قرون اولیٰ ہی سے قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تشریح وتوضیح کا کام شروع کردیا تھا۔ان کے اس گرانقدر اہتمام سے ضرورت تفسیر کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔مثلاً:

۱۔ غریب القرآن ازابان بن تغلب متوفی (۱۴۱ھ)۔
۲۔ غریب القرآن ازابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یحیٰ الیزیدی (م۲۶۰ھ)۔
۳۔ غریب القرآن ازابن قتیبہ الدینوری (م۲۶۷ھ) (۶۲)

انسانی مشکلات کے حل کے لیے تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید رشد وہدایت کی کتاب ہے ''اس کی آیات وقت کے ہرمسئلہ اور زمانے کی ہراجتماعی و انفرادی ضرورت کا تسلی بخش حل اپنے اندر پنہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں سعادتِ دارین کے لیے بے مثال اصول بیان کیے گئے ہیں۔اس لیے اس کوکماحقہ سمجھنے اوراس سے ہرزمانے کی ضرورت اور مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے انسانی علوم وفنون کی روشنی میں مسلسل غوروفکر اور تدبر وتفکر کی ضرورت رہتی ہے۔یہی ضرورت تفسیر نویسی کا اہم محرک ہے۔اسی بناء پر ابتدائے زمانہ اسلام سے لےکر اب تک ہر دور میں اور ہر عصر میں تفسیر نویسی کا سلسلہ بلاانقطاع جاری رہا ہے'' (۶۳)،اوران شاء اللہ یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہےگا۔

اصول وکلیات قرآن کی وضاحت کے لیے تفسیر کی ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں لوگوں کے ہر طبقہ کے مسائل واحکام بیان ہوئے ہیں۔ کچھ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جبکہ کچھ کے صرف اصول وکلیات بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔اوران کی جزئیات وفروعات کو(اختصار کے پیش نظر) چھوڑ دیا گیا ہے۔مگران جزئیات کی تفصیلات کا جاننا ضروری ہے تاکہ مسائل واحکام کی حقیقت تک پہنچا جاسکے یہ تفاصیل صرف علم تفسیر کے ذریعہ سے ہی معلوم کی جاسکتی ہیں۔

قرآن کی جملہ تعلیمات کی تفہیم کے لیے تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے ہر طرح کی تعلیمات بیان فرمائی ہیں تاکہ ان پر عمل کر کے وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوسکیں۔عمل کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمات کو اچھی طرح سے سمجھا جائے۔یہ کام صرف قرآن مجید کی تفسیر کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے۔

> ''افراد وامم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی اوراس کی حکیمانہ نظم وترتیب میں مضمر ہے۔قرآن حکیم انسانوں کی فلاح و بہبود کے جملہ اجزاء وعناصر پر مشتمل ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآن مجید کے فہم وتدبر(یعنی سمجھنے) کے بعد ہی ممکن ہے۔قرآن مجید جس رشد وہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اوراس کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے۔ جب تک ان سے واقفیت حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں۔علم تفسیر اسی سلسلہ میں معاون ثابت ہوتا ہے''(۶۴)

مسلمانانِ عالم کی اصلاح کے لیے تفسیر کی ضرورت

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے مصائب وصعوبات (مشکلات) اور باہمی فسادات وجھگڑوں میں مبتلا ہو جانے کا بنیادی سبب قرآن مجید کے رہنما اصولوں سے ناواقفیت ہے۔ ان اصولوں کی مکمل معرفت صرف اورصرف قرآنی آیات کی تشریحات سے حاصل ہوسکتی ہے جو کتب تفسیر کی صورت میں موجود ہیں۔ اگر موجودہ مسلمان قرآن مجید کے رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنا شروع کردیں تو ابتدائی ادوار

کے مسلمانوں کی طرح یہ بھی ہر میدان میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

''امت مسلمہ کے اس آخری دور کی اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے جیسے خیر القرون میں ہوئی تھی۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ کتاب الٰہی سے رشد و ہدایت کا پیغام اخذ کیا جائے اور زندگی کے آداب و اطوار کو اسی سانچہ میں ڈھالا جائے۔ ہمارے اسلاف مجالس، مساجد، گھروں میں فرضی و نفلی اور تہجد کی نمازوں میں جب کہ لوگ سو رہے ہوتے ہیں، تدبر و تفکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ نتیجۃً اس کے عمدہ اثرات ان کے نفوس میں ظاہر ہونا شروع ہوئے تو وہ بت پرستی کی پست سطح سے اٹھ کر اخلاق فاضلہ کی بلندیوں پر فائز ہو گئے۔ اخلاق و آداب اور اصلاح و ارشاد میں مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ علوم و فنون اور مختلف صنعتوں میں ماہر ہو گئے۔ بالآخر دنیا کی تمام اقوام سے سبقت لے گئے۔''(۶۵)

اس اقتباس سے جو چیز سمجھ میں آتی ہے وہ ہے تلاوت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں غور و فکر کرنا اور اسے سمجھنا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی سمجھ اس کی تفسیر ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

عصر حاضر کے تقاضے اور تفسیر

عصر حاضر میں دو پہلوؤں سے تفسیر کی ضرورت بڑھ گئی ہے:

ا۔ ایک پہلو یہ ہے کہ:

''کائنات میں آئے دن بے شمار سائنسی انکشافات ہو رہے ہیں اور وہ علوم جن کا تعلق انسانی تہذیب و تمدن سے ہے، ترقی کے لیے نئے نئے انداز اختیار کر رہے ہیں۔ قرآن کریم چونکہ ان تمام علوم کا معدن و مخزن ہے۔ اس میں تمام شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اشارات موجود ہیں اس لیے دور جدید کا تقاضا ہے کہ قرآن مجید کو بنیاد بنا کر ان علوم کی اس نقطۂ نظر سے وضاحت کی جائے کہ وہ عہدِ حاضر کے مسائل کو حل کر سکے

اور جدید ذہن کے شکوک وشبہات کو دور کر سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام تفسیر ہی کے ذریعے ممکن ہے۔''(٦٦)

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ:

''عصر حاضر میں عربی زبان میں مہارت باقی نہیں رہی۔ عربی الأصـــل خاندانوں میں عربیت کی خصوصیات مفقود ہیں۔ اس لیے اس دور میں علم تفسیر کی بہت ضرورت ہے۔''(٦٧)

قرآنی علوم ومعارف کے فہم کے لیے تفسیر کی ضرورت

قرآن مجید ان تمام علوم ومعارف کا مخزن ہے جن میں ہر پہلو سے انسانوں کی اصلاح کے طریقے اور ہر میدان میں کامیابی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے رہنما اصول موجود ہیں مگر ان طریقوں اور اصولوں کی تفصیلات صرف علم تفسیر ہی فراہم کرسکتا ہے، علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

''قرآن مجید، جو انسان کی اصلاح اور اس کے اعزاز واکرام کو برقرار رکھنے کے لیے نازل ہوا، عظیم علمی ذخائر کا جامع ہے۔ علم تفسیر ان علمی ذخائر وخزائن کی کنجی ہے جس کے بغیر ان تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ خواہ لوگ قرآنی الفاظ کو دن میں ہزاروں بار دہراتے رہیں۔ ان کا مفہوم تفسیر کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔''(٦٨)

یہ ہیں وہ چند ایک موٹی موٹی بنیادیں جو ضرورت تفسیر کا سبب بن سکتی ہیں۔ اگر مزید تحقیق کی جائے تو اور بنیادیں بھی سامنے آسکتی ہیں۔

۳۔ اہمیت تفسیر بلحاظ فریضہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انسانوں کے لیے تفسیر قرآن کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو مفسر وشارح بنا کر مبعوث فرمایا: ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ﴾(٦٩)

(اور اتاری ہم نے آپ پر یہ یادداشت تاکہ آپ بیان کریں لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کے لئے اتری ہے)۔

اس طرح قرآن مجید کی تفسیر وتوضیح کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا کہ آپ اپنے اقوال،احوال اور افعال سے قرآن مجید کی تشریح فرمائیں۔گویا قرآن کی تفسیر کرنا آپؐ کی ذمہ داریوں میں سے ایک اہم اور اولین ذمہ داری تھی۔آپؐ نے تو اپنی زندگی کو قرآن مجید کے رنگ میں رنگ لیا تھا اسی حقیقت کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا:''كان خلقه القرآن ''(آپ کی عادت اور سیرت مبارکہ عین قرآن تھی)

پھر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرمودات عالیہ کو اپنی وحی بنا دیا،ارشاد ربّانی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾(۷۰)

(اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے، یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا)۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا تاکہ آپ ﷺ کی طرف سے بیان کی ہوئی ہر تفسیر خود صاحب قرآن کی تفسیر سمجھی جائے۔واضح رہے کہ:

''قرآن کی اصل اور حقیقی تفسیر خود حامل قرآن کا بیان ہے۔تو یہ دعویٰ کرنا کہ قرآنی علوم براہِ راست سمجھے جا سکتے ہیں اور ان علوم کو سمجھنے کے لیے شارح وحی کی ضرورت نہیں عقل،حقیقت اور بداہت،سب کے خلاف ہے۔اس بات کو سمجھانے کے لیے اگر تھوڑا سا منطقی انداز اختیار کریں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ:شرح وتفسیر سورج کی روشنی کی طرح ہے اور سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کے لیے قوت بینائی کا ہونا ضروری ہے۔خارج میں موجود اشیاء کو دیکھنے کے لیے نہ صرف روشنی کافی ہے،اور نہ محض بینائی۔بیک وقت دونوں چیزوں کا وجود ضروری ہے۔اسی بناء پر آفتاب نبوت کی روشنی میں رہتے ہوئے فکر وتدبر کا حکم دیا گیا ہے۔اس لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ محض تدبر اور فکر انسانی فہم قرآن کے لیے کافی نہیں ہے۔''(۷۱)

۴۔اہمیت تفسیر بلحاظ دعائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تفسیر کی اہمیت کے پیش نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرامؓ کے حق میں دعا فرمائی مثلاً:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ "(۷۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما)۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ وَتَأْوِیْلَ الْكِتَابَ "(۷۳)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا فرمائی اے اللہ! اس کو سنت اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما)۔

۳۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

''امام حمیدی، امام احمد، امام ابن حبان، امام طبرانی اور امام بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا میں فرمایا: ''اے اللہ! اس کو دین کی فقہ (فہم و سمجھ) عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما۔''(۷۴)

یہ ہے چند ایک بنیادیں جو علم تفسیر کی اہمیت کا سبب بنی ہیں۔

۵۔قرآن کی برکت عظمیٰ کے حصول کے اعتبار سے تفسیر کی اہمیت

قرآن مجید سے برکت عظمیٰ حاصل کرنے کے لیے یہی کافی نہیں کہ اسے لا کر گھر میں رکھ دیا جائے یا اس کی آیات کی تلاوت پر اکتفا کیا جائے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی آیات میں غور وفکر کر کے انہیں

سمجھا جائے اور مامورات ومنہیات کے تقاضوں کو پورا کیا جائے تاکہ انسانی زندگی کے ہر میدان میں قرآنی فیوض وبرکات کا ظہور ہونا شروع ہوجائے۔ ایسے عظیم مقصد کی تکمیل صرف تفسیر قرآن سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ اس ضمن میں علامہ زرقانی مسلمانوں کی موجودہ حالت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''عصر حاضر کے مسلمانوں کی غالب اکثریت قرآن کریم کو گھروں، مجلسوں اور قبرستانوں میں خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کرنے پر اکتفا کرتی ہے یا حصول برکت وتقدس کے لیے اسے گھروں میں رکھتی ہے۔ وہ یہ بات بھول چکے ہیں کہ قرآن کی برکت عظمیٰ اس کے فہم وتدبر، اس پر خلوت میں سوچ وبچار کرنے اور اس کے بیان کردہ آداب واطوار سے کسب فیض کرنے میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس بات کو بھی بھول گئے ہیں کہ قرآن کی اصل برکت اس امر میں مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر پر عمل کیا جائے اور اس کی منہیات ومحرمات سے اجتناب کیا جائے''(۷۵)

۶۔ اہمیت تفسیر بلحاظ موضوع

کسی علم کی اہمیت کا اندازہ اس کے موضوع سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جتنا کسی علم کا موضوع اہم ہوگا اتنا ہی وہ علم اہم ہوگا۔ اس بنیاد پر علم تفسیر کو دیکھیے کہ ''اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن مجید) ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے''(۷۶)۔ علم تفسیر میں قرآن مجید کے معانی ومطالب کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے اور اس (یعنی قرآن مجید) کے اغراض ومقاصد کو زیر بحث لایا جاتا ہے جیسے ''توحید ورسالت، اصلاح عقائد، اعمال واخلاق، تحفظ حقوق، نظام مملکت کی درستگی، اعلاء کلمۃ اللہ، تذکیر آخرت، زہد وقناعت، تقوی صبر وشکر کی تعلیم، اخلاقی اور عملی گندگیوں سے طہارت، فساد فی الارض سے اجتناب، مجرمین کی سرکوبی، جان و مال اور عزت وناموس پامال کرنے والے مفاسد سے معاشرے کی تطہیر وپاکی''(۷۷)

قرآن مجید کے یہ مقاصد اور جو ان کے علاوہ کتب میں بیان ہوئے ہیں (۷۸) واضح طور پر علم تفسیر کی اہمیت پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ ان ہی مقاصد کو تفسیر میں بیان کیا جاتا ہے اور ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا' پھر ان جملہ مقاصد کو آپ ﷺ کی بعثت کے مقاصد قرار دیتے ہوئے انہیں تین عنوانات میں تقسیم فرمادیا:

۱۔ تلاوتِ آیات۔
۲۔ تعلیمِ کتاب وحکمت۔
۳۔ تزکیۂ نفوس۔ (۷۹)

مختصر یہ کہ ''موضوع تفسیر صرف وہی مضامین ہیں:

۱۔ جو علوم الٰہیہ اور مقاصد قرآن سے تعلق رکھتے ہوں۔
۲۔ جن کی تشریح وتفسیر آنحضرت ﷺ نے کی ہو۔''(۸۰)

۷۔اہمیت تفسیر بلحاظ اہتمام امت

قرآن مجید کی تفسیر کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے وقتِ نزول سے ملت اسلامیہ اس کی تفسیری خدمات مختلف انداز سے، مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر انجام دیتی آ رہی ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ ان شاء اللہ جاری رہے گا۔ تاریخ تفسیر کا طالب علم قرآن مجید کی ان تفسیری خدمات سے بخوبی آگاہ ہے۔ عالم اسلام میں سب سے زیادہ کتب قرآن مجید کی تفسیر میں موجود ہیں۔ یہ امت اسلامیہ کے اہتمام کا نتیجہ ہے۔ اگر قرآن حکیم کی تفسیر وتوضیح کرنا اہم کام نہ ہوتا تو اس قدر کتبِ تفسیر نہ ہوتیں۔

۸۔اہمیت تفسیر بلحاظ شعبہ ہائے تفسیر

اس کے علاوہ ایک اور پہلو بھی ہے جس سے تفسیر کی اہمیت عیاں ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کے تعلیمی اداروں میں تفسیر القرآن کا مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ دینی مدارس میں تو پوری پوری تفسیریں پڑھائی جاتی ہیں جبکہ بعض جامعات میں تو تفسیر کے مستقل شعبے قائم ہیں۔ ان شعبوں میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی کام پر ڈگریاں دی جاتی ہیں۔ ملت اسلامیہ کے اس اہتمام نے تفسیر قرآن کی اہمیت کو بڑھا کر رکھ دیا ہے۔

۹۔اہمیت تفسیر بلحاظ اُصول تفسیر

علماء اسلام نے ایسے اصول وقواعد وضع کرنے کا اہتمام کیا ہے جن کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی ہے۔ اگر ان اصول کی پابندی مفسر نہیں کرے گا تو اس کی تفسیر غیر مقبول ہوگی۔ جن کتب میں ایسے اصول بیان کئے جاتے ہیں انہیں کتب اصول تفسیر کہتے ہیں۔ جیسے:

۱۔ مقدمہ فی اصول التفسیر از امام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ)

۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر از شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

۳۔ تفسیر قرآن کے اصول از حمید الدین فراہی۔ ترتیب خالد مسعود۔

یہ کتب اور جو ان کے علاوہ ہیں واضح طور پر علم تفسیر کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۰۔ اہمیت تفسیر بلحاظ غرض وغایت اور فوائد

علم تفسیر کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے ذریعے کلام اللہ کے معانی معلوم کیے جاتے ہیں (۸۱)۔ اور اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں مثلاً:

۱۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں کہ:

"فائدہ التفسیر ھی التذکر والاعتبار، و معرفۃ ھدایۃ اللہ فی العقائد و العبادات و المعاملات والاخلاق لیفوز الأفراد و المجامیع بخیر العاجلۃ والأجلۃ"(۸۲)

(......تفسیر کا فائدہ یاد دہانی، عبرت آموزی اور عقائد و عبادات و معاملات اور اخلاق میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا معلوم کرنا ہے تاکہ فرد اور معاشرہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو......)۔

۲۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

"...... فائدتہ (ای التفسیر) حصول القدرۃ علی استنباط الأحکام الشرعیۃ علی وجہ الصحۃ"(۸۳)

(علم تفسیر کا فائدہ ہے صحیح طریقے پر شرعی احکام کے استنباط پر قدرت کا حاصل ہونا)۔

۳۔ فہم قرآن

علم تفسیر کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کو سمجھا جاتا ہے چنانچہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں کہ:

''تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کتاب' جو نبی علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہوئی، کے مطالب، احکام، اور حکمت سمجھی جا سکتی ہے''(۸۴)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کی معرفت

علم تفسیر ہی ایک ایسا علم ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے، اس سے اس کی مراد کیا ہے''۔(۸۵)

۵۔ ذریعہ تدوین حدیث

علم تفسیر کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر و توضیح سے متعلقہ مرویات کو دو طرح سے مدون کیا گیا:

الف ایک یہ کہ اس علم کی اہمیت کے پیش نظر محدثین حضرات نے اپنی کتب میں ان روایات کو مدون کرنے کا خاص اہتمام کیا جن کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی وضاحت سے تھا۔ بعض محدثین نے تو اپنی کتب میں تفسیر کے نام سے ایک مستقل باب باندھ رکھا ہے۔ جسے "باب التفسیر" یا "کتاب التفسیر" کہتے ہیں۔

ب دوسرے یہ کہ جو تفسیری کتب تفسیر ماثور کے اسلوب پر لکھی گئی ہیں ان میں ایسی احادیث کو مدون کر دیا گیا ہے جو آیات کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں جیسے تفسیر طبری' تفسیر ابن کثیر اور الدر المنثور فی التفسیر الماثور وغیرہ۔

۱۱۔ اہمیت تفسیر بلحاظ شروط مفسر

مفسر کے لیے مقررہ شروط سے بھی علم تفسیر کی اہمیت عیاں ہوتی ہے کیونکہ کسی کام کے انجام دینے کی شروط جتنی کڑی اور زیادہ ہوں گی اتنا ہی وہ کام اہمیت کا حامل ہوگا۔ مفسر یا تفسیر نویسی کی شروط کو علماء نے خاص اہتمام سے بیان فرمایا ہے، جیسے عربی زبان کے علوم، قرآن و حدیث کے علوم، علم فقہ و اصول فقہ وغیرہ کا تفہم و ادراک اور تقویٰ، صحت اعتقاد، اور ملکہ اجتہاد وغیرہ سے مزین ہونا۔(۸۶)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ دیکھئے لسان العرب از ابن منظور ج ۲ ص ۳۶۱ مطبوعہ ایران، ۱۴۰۵ھ، والقاموس الفرید از وحید الزمان ص ۵۰۲، البحر المحیط از ابوحیان الأندلسی ج ۱ ص ۱۳، القاہرہ ۱۳۰۸ھ، وکتاب التعریفات از علامہ جرجانی ص ۶۵، بیروت ۱۹۹۰ء، ر التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۱۔

۲۔ سورۃ الفرقان (۲۵):۳۳۔

۳۔ جامع البیان از امام طبریؒ ج ۱۹ ص ۱۱، طبعہ مصریہ۔

۴۔ معارف القرآن از قاضی محمد زاہد الحسینی ص ۲۰۔۲۱، دار الانتقاد، اٹک ط چہارم، ۱۳۹۸ھ۔

۵۔ البرھان فی علوم القرآن از علامہ بدر الدین زرکشی ج ۱، ص ۱۳، دار احیاء التراث العربیہ، القاہرہ۔

۶۔ البحر المحیط از ابوحیان ج ۱ ص ۲۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

۷۔ ایضاً۔

۸۔ منازل العرفان فی علوم القرآن ص ۲۰۹۔

۹۔ التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۵۔

۱۰۔ دیکھیے لسان العرب ج ۱۳ ص ۳۳۔۳۴/ الاتقان فی علوم القرآن از علامہ جلال الدین سیوطیؒ (متوفی ۹۱۱ھ) ج ۲ ص ۱۷۳، المکتبۃ الثقافیۃ، بیروت۔

۱۱۔ کلیات ابی البقاء از قاضی ابوالبقاء ایوب ص ۱۰۵۔

۱۲۔ التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۶، نیز دیکھئے روح المعانی از علامہ ابو الفضل محمود الآلوسی ج ۱ ص ۴، مکتبہ وہبہ عابدین، ۱۹۷۶ء۔

۱۳۔ دیکھئے سورۃ آل عمران (۳):۷ اور سورۃ النساء (۴):۵۹۔

۱۴۔ دیکھئے سورۃ آل عمران (۳):۵۳، سورۃ یونس (۱۰):۳۹۔

۱۵۔ دیکھئے سورۃ یوسف (۱۲):۶، ۳۷، ۴۴۔

۱۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مناھل العرفان فی علوم القرآن از محمد عبد العلیم الزرقانی ص ۶، دار الکتب العلمیۃ ط اولیٰ: ۱۹۸۸ء/ ۱۴۰۹ھ۔

۱۷۔ سورۃ الروم (۳۰):۹۱۔

۱۸۔ کتاب التعریفات محولہ بالا ص ۲۲۔

۱۹۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن ص ۷، التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۷۔

۲۰۔ تفسیر طبری میں کسی بھی آیت کی ابتداء میں یہ جملہ دیکھا جاسکتا ہے۔

۲۱۔ الاتقان فی علوم القرآن، محولہ بالا ج ۲ ص ۱۷۳، التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۱۹۔۲۰، بحوالہ مقدمۃ التفسیر از امام راغب اصفہانی ص ۴۰۲۔۴۰۳، باخر کتاب تنزیہ القرآن عن المطاعن از قاضی عبدالجبار۔

۲۲۔ روح المعانی از سید محمود آلوسی بغدادی (مقدمہ) ج ۱ ص ۷، الاتقان، سابق حوالہ ج ۲ ص ۱۷۳۔

۲۳۔ سورۃ الفجر (۸۹):۱۴۔

۲۴۔ الاتقان، محولہ بالا ج ۲ ص ۱۷۳۔

۲۵۔ معالم التنزیل از امام بغوی ج ۹ ص ۱۸، نیز دیکھئے تفسیر مظہری ج ۱ ص ۵۲۔

۲۶۔ مقدمۃ التفسیر روح المعانی از علامہ آلوسی، محولہ بالا ج ۱ ص ۵۔

۲۷۔ الاتقان، محولہ بالا ج ۲ ص ۱۷۳۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ ایضاً، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ''روایت کی مدد سے کسی قرآنی لفظ کے معنی کو بیان کردینا تفسیر ہے اور درایت کی مدد سے لفظ کے معنی کو بیان کردینا تاویل ہے۔

۳۰۔ التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۲۔

۳۱۔ ایضاً۔

۳۲۔ احتمالات کا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں' اور یہ بھی' یہ بھی ہوسکتے ہیں اور یہ بھی۔

۳۳۔ التفسیر والمفسرون ج ۱ ص ۲۲۔

۳۴۔ الاتقان، محولہ بالا ج ۲ ص ۱۸۳۔

۳۵۔ مقدمۃ التفسیر از امام راغب اصفہانیؒ کا اردو ترجمہ از مولانا محمد اشرف قریشی ص ۳۹ تا ۴۲۔

۳۶۔ سورۃ التحریم (۶۶):۴۔

۳۷۔ سورۃ فاطر (۳۵):۲۴۔

۳۸۔ سورۃ الانعام (۶):۳۸۔

۳۹۔ سورۃ التغابن (۶۸):۴۲۔

۴۰۔ سورۃ الانعام (۶):۱۰۳۔

۴۱۔ سورۃ النور (۲۴):۴ تا ۵۔

۴۲۔ سورۃ البقرہ (۲):۲۲۷۔

۴۳۔ سورۃ ص (۳۸):۲۹۔

۴۴۔ دیکھئے مناہل العرفان فی علوم القرآن ص ۲۱۱۔۲۱۲۔

۴۵۔ سابق حوالہ ص ۲۱۳۔۲۱۴ بحوالہ تفسیر عزیزی پارہ تبارک (فتح العزیز)

۴۶۔ اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا۔ شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی ج ا ص ۱۲۵، فرید بک سٹال، اردو بازار لاہور۔

۴۷۔ سورۃ القصص (۲۸): ۸۵۔

۴۸۔ المحرر الوجیز از علامہ ابوحیان اندلسی ج ا ص ۱۴ تا ۱۶ 'المکتبۃ التجاریۃ' مکہ مکرمہ، تبیان القرآن از غلام رسول سعیدی، محولہ بالا ج ا ص ۱۲۵۔۱۲۶۔

۴۹۔ سورۃ ص (۳۸): ۲۹۔

۵۰۔ سورۃ البقرۃ (۲): ۲۶۹۔

۵۱۔ مقدمۃ التفسیر از امام راغب اردو ترجمہ ص ۸۵۔۸۶۔

۵۲۔ تفسیر ماثور اور تفسیر بالرائے از ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ فکر ونظر اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۰ء، جلد ۲۸: ۲ ص ۸۶ ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

۵۳۔ ایضاً ص ۹۰۔

۵۴۔ سورۃ الانعام (۶): ۸۲۔

۵۵۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۷ 'جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی ط اُولیٰ' ۱۹۹۸۔

۵۶۔ سورۃ البقرۃ (۲): ۱۸۲۔

۵۷۔ تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۲۹۰، ۲۹۱ نیز دیکھئے جامع الترمذی از امام ابوعیسیٰ الترمذی (عربی، اردو)، ابواب تفسیر القرآن حدیث نمبر ۸۸۳ تا ۸۸۵ ج ۲ ص ۳۱۶، جہاں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ کے متعلق حضرت عدی بن حاتمؓ کا دلچسپ قصہ مذکور ہے، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور۔

۵۸۔ دیکھئے سنن اَبی داود (عربی، اردو)، کتاب الطھارۃ، باب التیمم حدیث نمبر ۳۲۱ تا ۳۲۳، فرید بک سٹال لاہور۔

۵۹۔ قصۃ التفسیر از ڈاکٹر احمد شرباصی ص ۳۷۔

۶۰۔ دیکھئے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر باب دوم کی فصل اول۔

۶۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۶/ ا ص ۵۴۷، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۶۲۔ غریب القرآن کے موضوع پر مزید تصانیف کے لیے دیکھئے سابق حوالہ ص ۵۴۸۔

۶۳۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۹۔

۶۴۔ تاریخ تفسیر و مفسرین از غلام احمد حریری ص ۳۱۔

۶۵۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۱۔

٦٦۔ مفسرین عظام اوران کی تفسیری خصوصیات از عبدالعزیز بلوچ ص ۱۴، النور اکیڈمی سرگودھا۔

٦٧۔ مناھل العرفان ص ۹۔

٦٨۔ مناھل العرفان ج ۲ ص ۹ نیز دیکھئے تفسیر بالماثور ومناھج المفسرین فیہ ص ۲۰۔

٦٩۔ سورۃ النحل (۱٦): ۱۴۴۔

٧٠۔ سورۃ النجم (۵۳): ۴،۳۔

٧١۔ تفسیر ماثور وتفسیر بالرائے از ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، فکر ونظر اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۰ ص ۸۹۔

٧٢۔ صحیح بخاری کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ اللھم علمه الکتاب، باب نمبر ۵۹۔

٧٣۔ سنن ابن ماجہ، باب فضل ابن عباسؓ باب نمبر ۳۲، حدیث نمبر ۱٧۲۔

٧٤۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱٧۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔

٧٥۔ مناھل العرفان ج ۲ ص ۱۰ تا ۱۱۔

٧٦۔ کشف الظنون از حاجی خلیفہ ج ۱ ص ۲٧، طبع استنبول ۱۳٦۲ھ۔

٧٧۔ منازل العرفان ص ۲۲۴۔

٧٨۔ مقاصد قرآن کی معرفت کے لیے دیکھئے منازل العرفان ص ۸۲۳ تا ۸۵۲، معارف القرآن از قاضی محمد زاھد الحسینی ص ۱۵۵ تا ۱٧۳ دارالارشاد اٹک، پاکستان، تاریخ افکار وعلوم اسلامی ج ۱ ص ۱۰٦ تا ۱۱۰۔

٧٩۔ ملاحظہ کیجئے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۲۹، ۱۵۱ اور سورۃ الجمعۃ آیت نمبر ۲۔

٨٠۔ منازل العرفان ص ۲۲۸۔

٨١۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲٧۔

٨٢۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱۲۔

٨٣۔ کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲٧۔

٨٤۔ الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۱٧۴۔

٨٥۔ مناھل العرفان محولہ بالا ج ۲ ص ۱۲۔

٨٦۔ شروط تفسیر اوران کی تفصیل کے لیے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن محولہ بالا ج ۲ ص ۱٧۵ (النوع الثامن والسبعون)، التفسیر والمفسرون محولہ بالا ج ۱ ص ۲٦۵ تا ۲٧۲۔